زکوٰۃ کی معاشرتی و اقتصادی اہمیت

اعجاز اسلم قریشی

(یہ مضمون از اول تا آخر اخذ و التقاط ہے۔ مآخذ کی نشاندہی آخر میں کر دی گئی ہے۔
زکوٰۃ کا مسئلہ آج کل کے رواں موضوعات میں سے ہے۔ مضمون نگار کی یہ کاوش لائق
التفات ہو گی)۔ (مدیر)

موجودہ دور میں اجتماعی عدل پر اظہار خیال کرتے وقت سب سے زیادہ اہمیت کسی ملک کے اقتصادی نظام اور اس کی اقتصادی پالیسی کو دی جاتی ہے۔ لیکن اسلام میں جس چیز کو ہم اجتماعی عدل کہتے ہیں وہ اقتصادی پالیسی سے کہیں زیادہ وسیع اور بلند تر چیز ہے۔ موجودہ مادی نظاموں کا خاصہ یہ ہے کہ وہ صرف اقتصاد کو مقدم رکھتے ہیں جو معاشی قدروں کے سوا زندگی کی دوسری قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اسلام اقتصاد کے ضمن میں جو پالیسی اختیار کرتا ہے وہ اس کے بنیادی فکر اور فلسفہ کے عین مطابق ہے۔ وہ فرد اور معاشرہ دونوں کے مصالح کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلے میں ایک موزوں اور مناسب درمیانی راہ اختیار کرتا ہے جس میں نہ تو فرد کی کوئی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ ہی معاشرہ کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ وہ نہ تو فطرت کی راہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور نہ ہی زندگی کے حقیقی اصول و ضوابط یا اس کے اعلیٰ مقاصد کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔

اس پالیسی کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچانے کے لئے اسلام دو بنیادی طریقے اختیار

کرتا ہے۔ اوّل قانونی ضابطہ بندی اور دوم ہدایت و تلقین۔ قانون کے ذریعے وہ ایسے عملی مقاصد حاصل کرتا ہے جو اپنی جگہ ایک صالح ترقی پذیر سماج کی تعمیر کے لئے کافی ہیں اور ہدایت و تلقین کے ذریعہ وہ حاجات کی غلامی سے بلند ہونے، زندگی کے بلند تر تصور کی طرف متوجہ ہونے اور بحیثیت مجموعی زندگی کو مثالی حد تک بلند کر دینے جیسے اعلیٰ مقاصد کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

حقِ ملکیت

اسلام دولت کی انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن حصول ملکیت کی ان مخصوص شکلوں کے ساتھ جن کو قانون جائز قرار دیتا ہو، ایسا نہیں کہ اسلام نے ذاتی ملکیت کے حق کو حدود و قیود عائد کئے بغیر لونہی چھوڑ دیا ہو۔ وہ اس حق کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو کچھ دوسرے اصول و ضوابط بھی دیتا ہے جو اس حق کو ایک عملی حق کے بجائے قریب قریب نظری بنا دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب مال کی ضروریات پوری ہو جانے کے بعد بقیہ مال کو خلق خدا کی بھلائی میں خرچ کرنا چاہتا ہے۔ حق ملکیت کے سلسلہ میں اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ اپنے اموال و املاک کے سلسلہ میں فرد کی حیثیت معاشرہ کے نمائندہ اور نائب کی ہے۔ اس پر اس کا قبضہ ملکیت سے کہیں زیادہ ایک ذمہ داری ہے۔

اسلام میں ملکیت کا حق پانے کا واحد ذریعہ "عمل" ہے۔ دولت کے حاصل کرنے اور اس کا مالک قرار پانے کی جن شکلوں کو اسلام درست تسلیم کرتا ہے وہ یہ ہیں: اوّل شکار، دوم جن افتادہ زمینوں کا کوئی مالک نہ ہو ان کو کسی طریقہ سے کارآمد بنا لینا، سوم زمین کے اندر جو معدنیات ہیں انہیں نکالنا، چہارم جنگ، پنجم اجرت کے عوض کسی دوسرے کی خاطر محنت کرنا، ششم سلطان کا ان زمینوں میں سے کسی کو کچھ عطیہ کے طور پر دے دینا جن کا کوئی مالک نہ ہو، اور ہفتم بقائے حیات کی خاطر مال کا محتاج ہونا۔ ان کے علاوہ جو بھی طریقے ہیں اسلام

ان کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، اور لوٹ مار ملکیت کا باعث نہیں بن سکتے ہیں۔ یہی حال جوئے کا بھی ہے کہ اسے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کی حکمت "محنت میں عظمت" پر مبنی ہے۔ محنت بہرحال جزا کی مستحق ہے اسی پر زندگی کی فلاح و بقا منحصر ہے۔ زمین کو آباد اور کارآمد بنانا، سوسائٹی کو فائدہ پہنچانا، جسم کو تقویت پہنچانا، سستی، کاہلی اور گمنامی کے عوامل سے انسان کو بچائے رکھنا، یہ امور جس حسن و خوبی کے ساتھ محنت کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ جب تک حصول ملکیت کا واحد ذریعہ عمل ہو، انفرادی ملکیت کا ان حدود کے اندر تسلیم کیا جانا کسی کے لئے ضرر رساں نہیں ہو سکتا۔ ملکیت کے اسی نظریہ کا نتیجہ ہے کہ اسلام انتقال ملکیت کے طریقوں میں مداخلت کرتا ہے اور فرد کو اس سلسلہ میں بالکل آزاد نہیں چھوڑتا۔ وراثت اور وصیت کے ضابطوں سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

ملکیت دولت کے بارے میں اسلام جس نظریہ کا قائل ہے اس کے تحت اس نے مال کے ذریعہ مال حاصل کرنے اور اسے استعمال کرنے کے طریقوں میں بھی مداخلت کی ہے۔ وہ مالک کو اس بات کی کھلی چھٹی نہیں دیتا کہ وہ اس سلسلہ میں من مانی کرتا رہے۔ کیونکہ فرد کی ذاتی مصلحت کے پہلو بہ پہلو اس سوسائٹی کی مصلحت بھی قابل لحاظ ہے جس سے فرد معاملہ کرتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کو مال کے ذریعہ نفع کمانے کی پوری آزادی ہے۔ اسے پوری آزادی ہے کہ زمین کاشت کرے، خام مال کے ذریعہ مصنوعات تیار کرے، تجارت کرے وغیرہ وغیرہ، لیکن اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھوکہ دہی پر اتر آئے۔ یا عام ضرورت کی اشیاء کو قیمت چڑھنے کے انتظار میں ذخیرہ کئے رکھے یا اپنی دولت کو سود پر دے یا مزدور کی اجرت کے سلسلہ میں ظلم و زیادتی سے کام لے کر خود اپنے نفع میں اضافہ کرے۔ یہ سب کچھ حرام کر دیا گیا ہے۔

اسلام افزائش دولت کے لئے صرف پاکیزہ اور ستھرے ذرائع ہی کو روا رکھتا ہے اور پاکیزہ ذرائع کی خصوصیت

یہ ہے کہ وہ سرمایہ کو اس حد تک بڑھنے کا موقع نہیں دیتے کہ طبقاتی فرق میں اضافہ ہوتا چلا جائے آج ہم سرمایہ میں جو بے تحاشہ اضافہ دیکھتے ہیں اس کی وجہ دراصل، دھوکہ، فریب، سود، مزدور کی حق تلفی، احتکار، عوام کی ضروریات سے بے جا فائدہ اٹھانا، چوری، غصب وغیرہ جیسے وہ جرائم ہیں جو آج کل کے معروف طریق ہائے استحصال میں مضمر ہیں۔ اسلام ان کی اجازت کبھی نہیں دیتا۔ افزائش دولت کے سلسلہ میں احکام یہ ہیں کہ اوّل اسلام کاروبار میں بد دیانتی کو حرام قرار دیتا ہے، دوم اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کو اسلام دولت کمانے اور اس میں اضافہ چاہنے کا جائز طریقہ تسلیم نہیں کرتا۔ حدیث نبوی ہے کہ "جس نے احتکار کیا وہ غلط کار ہے"۔ درحقیقت احتکار صنعت و تجارت کی آزادی کا خون ہے۔ کیونکہ اجارہ دار یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس جیسا مال یا اس جیسی مصنوعات کوئی اور تیار کرے۔ وہ تو منڈی پر پورا کنٹرول چاہتا ہے۔ تاکہ لوگوں سے من مانی قیمتیں وصول کر سکے اور لوگوں کو ہر طرح کی شدت اور تنگی کا شکار کر کے ان کا جینا دوبھر کر دے۔ بعض اوقات احتکار کرنے والا زائد پیداوار کو تلف کر دیتا ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح ایک خاص قیمت کو لوگوں پر مسلط کر سکے۔ اب تو ادویات کی منڈی کا بھی یہ حال ہے کہ یہودی اور یہود صفت افراد ان کا احتکار کرتے رہتے ہیں اور لاکھوں انسان بغیر دواؤں کے تڑپتے رہتے ہیں گویا زبردستی دھکیل کر موت کے منہ میں لے جائے جاتے ہیں صرف اس لئے کہ ذخیرہ اندوز تاجر زیادہ سے زیادہ نفع کما سکیں اور اس طرح اپنی حرام کمائی میں اضافہ کر سکیں۔ کسب مال کے اس ذریعہ کا سد باب کرنے کو اسلام نے اتنی اہمیت دی کہ احتکار کو دائرہ دین سے خارج کرنے والا جرم قرار دے دیا۔ حدیث نبوی ہے کہ جس نے چالیس روز تک سامانِ غذا کو ذخیرہ کئے رکھا اس کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی اللہ کو اس کی کوئی پرواہ ہے۔ میرے خیال میں ایسے شخص کو مسلمان تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا جو سوسائٹی کی دشمنی میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ اپنی ذاتی نفع اندوزی اور اس طرح اپنی دولت

میں اضافہ کی خاطر اجتماعی مصالح کو دانستہ مجروح کرتے ہوئے سماج میں مصنوعی طور پر خوف اور احتیاج پیدا کر دیتا ہے، سوم سُودی کاروبار بھی افزائش دولت کا ایک حرام ذریعہ ہے جسے اسلام واضح طور پر قابلِ نفرت قرار دیتا ہے۔ وہ اس کی خباثت واضح کرتے ہوئے اسے اپنانے والوں کو بدترین انجام کی خبر سناتا ہے۔

خرچ کی راہیں۔

جہاں اسلام نے کسبِ مال کے لئے حدود متعین کر دی ہیں وہیں وہ مال کے صرف کو بھی یونہی بلا کسی ضابطہ کے نہیں چھوڑ دیتا۔ چنانچہ صاحبِ دولت کو کھلی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ جس حد تک چاہے مال کو نہ صرف کرے اور روک کے رکھے یا جہاں جس طرح چاہے اسے خرچ کرتا رہے۔ اسلام میں فرد کی یہ حیثیت تسلیم نہیں کی گئی کہ وہ اپنے شخصی معاملات میں من مانی کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ بلاشبہ اسے چند متعین حدود کے اندر رہتے ہوئے یک گونہ آزادی حاصل ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شائد ہی کوئی انفرادی فعل ایسا ہو جس کا تعلق دوسروں سے کچھ بھی نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تعلق بالکل واضح اور قریبی نہ ہو۔ اسلام کو نہ تو اسراف کی حد تک بڑھا ہوا خرچ کرنا پسند ہے اور نہ ہی کنجوسی کی حد تک ہاتھ روکنے کو وہ صحیح سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ہی طریقے بالآخر اس فرد اور پوری سوسائٹی کے حق میں نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

اسلام چاہتا ہے کہ تمام لوگ، بڑے چھوٹے اور امیر و غریب سب زندگی کو خوشگوار بنانے والی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اسی لئے مال کے گردش میں نہ آنے اور صرف کئے جانے سے روکنے کو اسلام ایک الگ زاویہ سے دیکھتا ہے۔ یعنی یہ کہ مال و دولت کا اس طرح روکے رہنا اس کے حقیقی عمل کو معطل کر دیتا ہے۔ سوسائٹی کا مفاد اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی دولت ہمیشہ گردش کرتی رہے تاکہ زندگی ہر طرح پھلے پھولے، پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو، محنت کاروں کے لئے کام کے وسائل مہیا ہوں اور انسانیت عامہ کو تعمیری سرگرمیوں کے پورے پورے مواقع میسر آئیں۔ مال کا روکے رکھنا اس پورے نظام کو معطل کر دیتا ہے اس لئے اسلام کے نزدیک یہ حرام ہے۔

اس سے مال دار فرد کے مخصوص مفادات اور سماج کے عام مصالح دونوں کا خون ہوتا ہے۔

اسراف دوسری انتہا کا نام ہے اور وہ بھی فرد اور سوسائٹی دونوں کے لئے مہلک ہے۔ لیکن اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا خواہ سارے کا سارا مال اس مصرف میں کام آجائے اسراف نہیں کہلاتا۔ اسراف کا اطلاق اس فضول خرچی پر ہوتا ہے جو اپنے نفس کی خاطر کی جائے۔ ان معنوں میں اسراف عیش پرستی کا نام ہے جسے اسلام سخت ناپسند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ مال امیروں کے درمیان گردش کرتا رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کثرتِ مال لوگوں کو عیش و عشرت میں مبتلا کردے۔ اسلام عیش پرستی کو فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے شر و فساد کا منبع قرار دیتا ہے۔

ایک طرف سوسائٹی میں عیش پرستوں کا وجود اور اسے بخوشی گوارا کر لینا اور اپنی خاموشی کے ذریعہ گویا اس کی اجازت دے دینا، عیش و عشرت کے اسباب کا ازالہ کی طرف توجہ نہ کرنا اور عیش پرستوں کو فساد پھیلانے کے لئے آزاد چھوڑ دینا وغیرہ، ایسے اسباب و عوامل ہیں جو بالآخر سوسائٹی کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں۔ دوسری طرف نفع اندوزوں اور استحصال کرنے والوں کا گروہ ہوتا ہے جس میں بردہ فروش، مسخرے اور ان عیش پرستوں کے حاشیہ نشین اور خدمت گذار شامل ہوتے ہیں جو اپنے قول و عمل سے بے حیائی، فحاشی، عیش پرستی اور سہل پسندی کی اشاعت میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی ان تمام اعلیٰ قدروں کی توہین کرتے رہتے ہیں جو شرفار کے گروہ کے مفاد و مذاق سے ٹکراتی ہیں، رفتہ رفتہ یہ مرض زندگی کے تمام شعبوں میں پھیل جاتا ہے اور یہ خرابیاں بالآخر ایک ایسی فضا بنا دیتی ہیں کہ فحاشی اور بے حیائی پوری قوم میں عام ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے نہ صرف جسم بلکہ دماغ بھی ناکارہ ہو جاتے ہیں اور روحانی اور معنوی اقدار کا چراغ ٹمٹمانے لگتا ہے۔ جب سماج ان پستیوں میں جا گرتا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ تخریب و ہلاکت کا مستحق قرار پاتا ہے اور اللہ کا عذاب اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دیتا ہے۔

فریضۂ زکوٰۃ

زکوٰۃ ارکان اسلام میں ایک ایسا رکن ہے جو واضح طور پر اجتماعی تصور رکھتا ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام پر گفتگو میں زکوٰۃ پر بحث مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ نماز اور زکوٰۃ دو بڑے ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے ان کے ہٹنے کے بعد اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔ بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نماز نہ پڑھ کر اور زکوٰۃ نہ دے کر بھی وہ مسلمان رہتے ہیں۔ مگر اسلامی تعلیمات صاف الفاظ میں اس کی تردید کرتی ہیں۔ ان کی رُو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو کافر سمجھ کر ان کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔

زکوٰۃ کے معنی

عربی زبان میں زکوٰۃ دو معنوں سے مرکب ہے۔ ایک پاکیزگی دوسرے نشوونما یعنی کسی چیز کی ترقی میں جو چیزیں مانع ہوں ان کو دور کرنا اور اس کے اصل جوہر کو پروان چڑھانا۔ یہ دو مفہوم مل کر زکوٰۃ کا پورا تصور بناتے ہیں۔ پھر یہ لفظ جب اسلامی اصطلاح بنتا ہے تو اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک وہ مال جو تزکیہ کے لئے نکالا جائے۔ دوسرے بجائے خود تزکیہ کا عمل — یُؤْتُوْنَ الزَّکوٰۃَ کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ تزکیہ کی غرض سے اپنے مال کا ایک حصہ دیتے یا ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بات صرف مال دینے تک محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن لِلزَّکوٰۃِ فَاعِلُوْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تزکیہ کا عمل کرتے ہیں اور اس صورت میں بات صرف مال زکوٰۃ ادا کرنے تک محدود نہیں رہے گی بلکہ تزکیہ نفس، تزکیہ اخلاق، تزکیہ مال، تزکیہ حیات غرض زندگی کے ہر پہلو کے تزکیہ تک پھیل جائے گی۔ گویا وہ جو زکوٰۃ دیتے ہیں تزکیہ کا کام کرنے والے لوگ ہیں یعنی اپنے آپ کو بھی پاک کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی پاک کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں، اپنے اندر بھی جوہر انسانیت کو نشوونما دیتے ہیں اور باہر کی زندگی میں بھی اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں جس سے ایثار و قربانی کا جذبہ ان کے اندر مستحکم ہوتا ہے۔ متاع دنیا کی محبت دبتی ہے اور رضائے الٰہی کی طلب ابھرتی ہے۔

زکوٰۃ کی معاشرتی اہمیت

یہ کروڑوں انسان جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں جن میں ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں اچھے اور بُرے سب کے سب اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اللہ کی اس پارٹی میں شامل کر لئے جائیں جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی خلافت کا مرتبہ اور آخرت میں تقرب کا مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے کمال درجہ کی حکمت کے ساتھ چند امتحان، چند آزمائشیں، چند معیار جانچنے اور پرکھنے کے لئے مقرر کر دیئے ہیں، انسانوں میں سے جو کوئی ان پر پورا اُترے وہ تو اللہ کی پارٹی میں آجائے اور جو ان پر پورا نہ اُترے وہ خود بخود اس پارٹی سے الگ ہو کر رہ جائے اور خود بھی جان لے کہ میں اس پارٹی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں۔ یہ معیار کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم و دانا ہے اس لئے سب سے پہلا امتحان وہ آدمی کی حکمت و دانائی کا ہی لیتا ہے۔ دوسرے امتحان میں آدمی کی عقل کے ساتھ اس کی اخلاقی طاقت کو بھی پرکھا جاتا ہے۔ تیسرے درجے میں اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہے اور چوتھا امتحان مال کی قربانی کا لیا جاتا ہے، کیونکہ ابھی یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں وہ چھوٹے دل کے، پست ہمت، کم حوصلہ، تنگ ظرف تو نہیں ہیں۔

زکوٰۃ دراصل اسلام کی روح اور اس کی جان ہے۔ یہ حقیقت میں ایمان کا امتحان ہے جس طرح رسمی تعلیم میں درجہ بدرجہ امتحانات دے کر آدمی ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر سند یافتہ کہلاتا ہے اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں جن سے آدمی کو گذرنا پڑتا ہے۔ اور جب وہ چوتھا امتحان یعنی مال کی قربانی کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے دیتا ہے تب وہ پورا مسلمان بنتا ہے۔

زکوٰۃ اور صدقات حقیقت میں ہماری معاشرتی زندگی کی جان ہیں اور ان میں ہمارے لئے آخرت ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بھی ساری نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ لیکن انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے ظالم اور جاہل واقع ہوا ہے۔ وہ تنگ نظر ہے۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ وہ خود غرض ہے۔ اور جلد باز بھی ہے۔ وہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلد دیکھنا چاہتا ہے، اور اسی فائدے کو

فائدہ سمجھتا ہے جو فوراً اس کو حاصل ہو جائے۔ انسان صرف اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے۔ قریب میں کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہو یا آوارہ پھر رہا ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں کیوں اس کی خبر گیری کروں؟ کوئی بیوہ اگر محلے میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا! کوئی مسافر اگر بھٹکتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے اُسے بھی اللہ نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ اپنی ضرورتیں اسے خود پوری کرنی چاہئیں میں اس کی کیوں مدد کروں؟ اگر کسی قومی کام میں حصّہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھے گا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کیا ہے! جن کاموں میں اس کی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ سب اس کی مدد سے محروم رہ جائیں گے۔ جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کر رہی ہو تو تھوڑے لوگوں کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولت مند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی جاتی ہے۔ جس سوسائٹی میں افلاس عام ہو وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے اُس میں بیماریاں پھیلتی ہیں، اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار، بلوے ڈاکے اور قتل جیسے بھیانک اور مکروہ جرائم کی مرتکب ہوتی ہے۔ درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اس سوسائٹی کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرہ میں وہ رہتا ہے۔ جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور معاشرہ کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے یا سود کھا کر اسے اور بڑھاتا ہے مگر حقیقت میں وہ اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے۔ آج تک انسان اپنی عقل اور کوشش سے اس جہالت کے بند کو نہیں کھول سکا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورہ روم آیت ۳۹ میں اسی راز کو یوں بیان فرمایا ہے۔ تم جو سُود دیتے ہو اس غرض کے لئے کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے تو دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی، البتہ جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے

سے دیتے ہو ان کے دینے والے درحقیقت اپنے مال کو بڑھاتے ہیں۔" سود وہ چیز نہیں جس سے دولت کی افزائش ہوتی ہو بلکہ حقیقی افزائش زکوٰۃ سے ہوتی ہے۔ اس افزائش یا بڑھوتری کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جتنی خالص نیت اور جتنے گہرے جذبہ ایثار اور جس قدر شدید طلب رضائے الٰہی کے ساتھ کوئی شخص راہ خدا میں مال صرف کرے گا اسی قدر اللہ تعالےٰ اس کا زیادہ سے زیادہ اجر دے گا۔

تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی دنیا ہے جہاں سارے کام سودخواری پر چل رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور جو سرمایہ داروں کے خزانوں پر ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن کی ساری بساط بھی الٹ دینا چاہتا ہے۔ اس سے بچنے کا واحد حل زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی اور اس کی بہترین منصفانہ اور جائز تقسیم میں ہے۔ اس کے بعد دیکھئے کہ معاشرے کی حالت کس طرح تیزی سے تبدیل ہوتی ہے اور ایسی تبدیلی جس کا بڑی سے بڑی فلاحی ریاست بھی تصور نہیں کر سکتی۔

مصارف زکوٰۃ

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ حق دار بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل سورۂ توبہ آیت ۶۰ میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔

صلح حدیبیہ تک چھ سال کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہوا کہ عرب کے تقریباً ایک تہائی حصہ میں اسلام ایک منظم سوسائٹی کا دین، ایک مکمل تہذیب و تمدن اور ایک کامل بااختیار ریاست بن گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد عرب میں یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے تمام امن

باشندوں پر جو ایک مقرر مقدار سے زائد مال رکھتے تھے باقاعدہ زکوٰۃ عائد کی گئی تھی۔ زکوٰۃ کی تنظیم نے عرب کی زندگی میں وہ انقلاب برپا کیا جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔ زکوٰۃ ان کی زرعی پیداوار سے، ان کے مویشیوں سے، ان کے اموال تجارت سے، ان کے معدنیات سے اور ان کے سونے چاندی کے ذخائر سے ۲½ فی صدی، ۵ فی صدی، ۱۰ فی صدی اور ۲۰ فی صدی کی مختلف شرحوں کے مطابق وصول کی جاتی تھی۔ یہ سب اموال زکوٰۃ ایک منظم طریقہ سے وصول کئے جاتے اور ایک مرکز پر جمع ہو کر منظم طریقہ سے خرچ کئے جاتے۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملک کے اطراف سے آتنی دولت سمٹ کر آتی اور آپ کے ہاتھوں سے خرچ ہوتی جو عرب کے لوگوں نے کبھی اس سے پہلے کسی ایک شخص کے ہاتھوں جمع اور تقسیم ہوتے نہیں دیکھی تھی۔

مذکورہ آیت میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں نیز جو دوسرے کام اس سے لئے جاتے ہیں ان کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے اس طرح یہ آیت دراصل اسلامی ریاست کی معاشی اصلاح کی پالیسی کے مقاصد پر روشنی ڈالتی ہے۔ جن مدات کا اس میں ذکر ہے ان کی مختصر تشریح یہ ہے۔

۱۔ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لئے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاج اعانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے سردست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں۔ مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کے شکار ہو گئے ہوں۔

۲۔ مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں۔ نبی کریم نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو مستحق امداد ٹھہرایا ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائع نہ پا رہے ہوں اور سخت تنگ حال ہوں، مگر نہ تو ان کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہو اور نہ ان کی ظاہری پوزیشن ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجت مند سمجھ کر ان کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ گویا وہ ایک ایسا شریف آدمی ہے جو غریب ہو۔

۳. وہ لوگ جو صدقات وصول کرنے اور وصول شدہ مال کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب رکھنے اور انہیں تقسیم کرنے میں حکومت کی طرف سے استعمال کئے جائیں۔ ایسے لوگ خواہ فقیر و مسکین نہ ہوں ان کی تنخواہیں بہرحال صدقات ہی کی مد سے دی جائیں گی۔

۴۔ تالیف قلب کے معنی ہیں دل موہنا۔ اس حکم سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر ان کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انہیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں، یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ان کی سابقہ عداوت یا ان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی استمالت نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار یا مطیع و فرماں بردار، کم از کم بے ضرر دشمن بنا لیا جائے۔ اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی مال خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد سے بھی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر و مسکین یا مسافر ہوں تب ہی ان کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے بلکہ وہ مال دار اور رئیس ہونے پر بھی زکوٰۃ دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

۵۔ گردنیں چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ غلاموں کی آزادی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اگر میں اتنی رقم تمہیں ادا کر دوں گا تو تم مجھے آزاد کر دو گے، اسے آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جائے۔ دوسرے یہ کہ خود زکوٰۃ کی مد سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔

۶۔ ایسے قرض دار جو اگر اپنے مال سے اپنا پورا قرض چکا دیں تو ان کے پاس قدر نصاب سے کم مال بچ سکتا ہو۔ وہ خواہ کمانے والے ہوں یا بے روزگار، اور خواہ عرفِ عام میں فقیر سمجھے جاتے ہوں یا غنی، دونوں صورتوں میں ان کی اعانت زکوٰۃ کی مد سے کی جا سکتی ہے، مگر متعدد فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اڑا کر اپنے آپ کو قرض میں مبتلا کیا ہو اس کی مدد نہ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

۷۔ راہِ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رُو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ بڑی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظامِ کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظامِ اسلامی کو قائم کرنا ہو۔ اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں ان کو سفر خرچ کے لئے، سواری کے لئے، آلات و اسلحہ اور دیگر سروسامان کی فراہمی کے لئے زکوٰۃ سے مدد دی جا سکتی ہے۔ خواہ وہ بذاتِ خود کھاتے پیتے لوگ ہوں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ان کو مدد کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح جو لوگ رضاکارانہ اپنی تمام خدمات اور اپنا تمام وقت عارضی طور پر یا مستقل طور پر اس کام کے لئے دے دیں ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ سے وقتی اعانتیں دی جا سکتی ہیں۔

۸۔ مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کی جائے گی۔ دین کی اصولی تعلیمات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدد کا محتاج ہو اس کی دستگیری کرنے میں اس کی گناہ گاری مانع نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ فی الواقع گناہ گاروں اور اخلاقی پستی میں گرے ہوئے لوگوں کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ان کو سہارا دیا جائے اور حسن سلوک سے ان کے نفس کو پاک کرنے کی کوشش کی جائے۔

زکوٰۃ ایمان کی لازمی صفت

زکوٰۃ کا ادا کرنا ایمان لانے والوں کی لازمی صفت ہے۔ سورۃ النمل آیت ۲ میں ارشاد ہوا ہے

"ہدایت اور بشارت ان ایمان لانے والوں کیلئے ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور پھر وہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔"

یہ آیت صرف انہی لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے اور صرف انہی لوگوں کو نیک انجام کی خوشخبری دیتی ہے جن میں دو خصوصیات پائی جائیں۔ اوّل یہ کہ وہ ایمان لائیں اور دوم یہ کہ وہ ان چیزوں کو محض مان کر نہ رہ جائیں بلکہ عملاً اتباع و اطاعت کے لئے آمادہ ہوں اور اس آمادگی کی اولین علامت یہ ہے کہ وہ نماز قائم

کریں اور زکوٰۃ دیں یہ دونوں شرطیں جو لوگ پوری کریں گے انہی کو قرآن کی آیات دنیا میں زندگی کا سیدھا راستہ بتائیں گی، اس راستہ کے ہر مرحلہ میں ان کو صحیح اور غلط کا فرق سمجھائیں گی، اس کے علاوہ ہر موڑ پر انہیں غلط راہوں کی طرف جانے سے بچائیں گی اور ان کو یہ اطمینان بخشیں گی کہ راست روی کے نتائج دنیا میں خواہ کچھ بھی ہوں آخر کار ابدی اور دائمی فلاح اسی کی بدولت انہیں حاصل ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے سرفراز ہوں گے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک معلّم کی تعلیم سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اس پر اعتماد کر کے واقعی اس کی شاگردی قبول کر لے اور پھر اس کی ہدایات کے مطابق کام بھی کرے۔ ایک ڈاکٹر سے استفادہ وہی مریض کر سکتا ہے جو اُسے اپنا معالج بنائے اور دوا اور پرہیز وغیرہ کے معاملہ میں اس کی ہدایات پر عمل کرے۔ اسی صورت میں معلم اور ڈاکٹر یہ اطمینان دلا سکتے ہیں کہ آدمی کو نتائج مطلوبہ حاصل ہوں گے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی۔

زکوٰۃ ہر اس مال پر واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے بڑھایا جا سکتا ہو تاکہ اس سے ایک طرف زکوٰۃ دینے والا اور اس کا مال پاک ہو جائے اور دوسری طرف ضرورت مندوں کی احتیاجات پوری ہو جائیں۔ قابلِ زکوٰۃ مال کی دو اقسام ہیں: ایک ظاہر مال جو چھپایا نہ جا سکتا ہو جیسے، کھیتی، گائے، بکری اونٹ اور دیگر مویشی، دوسرا باطن مال جس کا چھپانا ممکن ہو جیسے سونا، چاندی، زر نقد اور سامانِ تجارت وغیرہ۔ عشر ان پیداواروں پر ہے جو لوگوں کے پاس ذخیرہ ہو کر رہتی ہیں۔ اس کی شرح پانچ فیصد ہے زکوٰۃ صرف ایسے مویشیوں پر واجب ہے جو افزائش نسل کے لئے پالے جاتے ہیں۔ مختلف مویشیوں کا نصاب مختلف ہے مثلاً پانچ اونٹوں پر، چالیس بکریوں پر اور تیس گائیوں پر۔ اس کے علاوہ مال باطن کی زکوٰۃ مثلاً سونے، چاندی، زر نقد اور مال تجارت پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اس کی مالیت کے برابر زر نقد یا مال تجارت محفوظ ہو اور جس کے جمع کئے جانے پر ایک سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہو۔

زکوٰۃ کا انتظام

زکوٰۃ کا انتظام اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔ سورۃ الحج آیت ۴۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔" اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے مددگار وراس کی تائید ونصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرماں روائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق وفجور اور کبر وغرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہو ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صرف ہو۔ ان کی حکومت نیکی کو دبانے کی بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہو۔ اس آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔

اسی مقصد کے پیش نظر جو اوپر بیان کیا گیا ہے پاکستان کی موجودہ حکومت کے سربراہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۰ شعبان ۱۴۰۰ ہجری بروز جمعۃ المبارک زکوٰۃ و عشر کے قانون کے نفاذ کا تاریخی اعلان کیا۔ یہ دن کوئی معمولی دن نہیں۔ یہ بڑی باسعادت گھڑی تھی جس کے لئے اس علاقے کے مسلمان صدیوں سے منتظر تھے یہ وہ یادگار لمحہ تھا جس کی راہ فرزندانِ توحید ایک عرصہ سے دیکھ رہے تھے۔ یہ لمحہ اجتماعی طور پر اس عہد کے ایفاء کا وقت تھا جو ہمارے ایمان کا اہم جزو ہے اور ہماری نجات کی لازمی شرط ہے۔ ہماری یہ دعا ہے کہ جو تاریخی اعلان جاری کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسے کامیابی سے چلانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اس کا اہل بنائے کہ ہم اس کے ذریعے اپنی حیثیت کے مطابق مستحقین کی صحیح معنوں میں مدد کریں اور سچے اسلامی معاشرہ کی تکمیل کر سکیں جس میں زکوٰۃ دینے والے تو ہوں لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ حکومت اور عوام کی کوششوں میں برکت دے آمین۔

زکوٰۃ وعشر کے قانون کا نفاذ ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کی طرف بہت بڑا اہم اور بنیادی قدم ہے۔ پاکستان میں اس قانون کے نفاذ کے لئے زکوٰۃ کے اس بنیادی فلسفہ کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ کیونکہ دولت کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جانا معاشرے کے لئے انتہائی نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہ قانون ملک کی معاشرتی اور اقتصادی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے نافذ کیا گیا ہے تاکہ طبقاتی ناانصافی اور غیر مساویانہ تقسیم دولت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کیا جا سکے۔ زکوٰۃ وعشر کے نظام ہی کی مدد سے اسلام نے صدیوں پہلے ایک فلاحی ریاست کی بنیاد ڈالی جسے موجودہ دور کے معاشرتی مفکرین اور فلسفیوں نے تسلیم کیا اور اس نظام کو بڑی اہمیت دی۔ اس قانون کا صحیح عملی نمونہ پوری دنیا کو یہ ثابت کر دکھائے گا کہ اسلام کا فلاحی ریاست کا تصور دنیا کے موجودہ تمام نظاموں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہ نظام نہ تو ضرورت سے زیادہ آزادی کا قائل ہے اور نہ ہی غیر ضروری بندشوں اور پابندیوں کا روادار ہے۔ بلکہ یہ تو انسانی صلاحیتوں کے لئے ایک متوازن مثالی نظام ہے۔

بلاشبہ اس قانون کا نفاذ ایک مبارک اور خوش آئند قدم ہے لیکن انفرادی معاملات سے قطع نظر جن امور پر اجتماعی طور سے زور دینا چاہیئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نظام کو صحیح خطوط پر نافذ کرنے والی مشینری بھی مستعد، ذمہ دار، دیانتدار اور اسلامی جذبہ و شعور سے سرشار ہونی چاہیئے تاکہ وہ نہ صرف لوگوں کے اعتماد پر پوری اُتر سکے بلکہ معاشرے کے جو نادار، معذور اور محتاج افراد اس نظام سے فیضیاب ہونے کے مستحق ہیں ان کی آبرومندانہ کفالت کا سلسلہ بھی جلد از جلد شروع کر دیا جائے تاکہ اسلام کے فلاحی نظام کے وہ بنیادی پہلو عملی طور پر سب لوگوں کے سامنے آجائیں جن پر سب مسلمانوں کا ایمان و اعتقاد ہے اور جن کا ذکر وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں سالہا سال سے پڑھتے اور سنتے آرہے ہیں۔ بے شک زکوٰۃ وعشر کا نظام نیا یا غیر معروف نہیں۔ بے شمار لوگ اپنے طور پر بھی زکوٰۃ ادا کرتے رہے ہیں لیکن ایک نظام کے طور پر پاکستان میں اس کا نفاذ ایک نیا تجربہ ضرور ہے۔ جس کا اصل اور بنیادی مسئلہ اس پر عمل کا ہے۔ زکوٰۃ جیسے اہم نظام کے نفاذ کے ابتدائی مراحل میں کچھ انتظامی دشواریاں یقیناً پیش آئیں گی لیکن عزم پختہ اور ارادہ نیک ہو تو پھر یہ دشواریاں سدِراہ نہیں

بن سکیں حسن عمل سے جذبہ اور زیادہ ابھرنا چاہیئے۔ لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والی مختلف بدگمانیوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش ایک اہم قدم ضرور ہے لیکن ایسے معاملات میں دلیل اور تاویل سے کہیں زیادہ مؤثر اور مثبت عمل ہی نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے، موجودہ حکومت نے جس ارادے سے اس کار خیر کی بنیاد رکھی ہے وہ یقیناً بڑا بلند اور نیک ہے لیکن اس نے ایک منفرد عزت وسعادت حاصل کرنے کے ساتھ خدا اور خلق خدا کے سامنے بڑی بھاری ذمہ داری بھی قبول کی ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مستحق افراد کی آبرومندانہ کفالت کا سلسلہ صحیح خطوط پہ قائم کیا جائے۔

ایک اندازے کے مطابق بنکوں کے بچت کھاتوں سے جو کٹوتیاں کی گئی ہیں ان سے ابتدائی طور پہ پچاس کروڑ روپے کی رقم زکوٰۃ فنڈ میں جمع ہوئی ہے۔ مستحق افراد کی نوعیت اور تعداد کے پیش نظر غریبوں، بیواؤں، یتیموں، ناداروں وغیرہ کی اوسط امداد کا تعین اگر کم از کم ایک ہزار روپیہ فی کس بھی کیا جائے تو اس رقم سے پانچ لاکھ افراد کی کفالت کا بندوبست ممکن ہو سکتا ہے۔ آپ ذرا سوچیئے کہ جب یہ پانچ لاکھ افراد اپنی ضروریات کے لئے اس رقم کو خرچ کریں گے تو ضروریات فراہم کرنے والے افراد کے وسائل میں کس قدر اضافہ ہوگا۔ وہ اس سے اپنی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ کریں گے۔ ملک کی پیداوار بڑھے گی۔ بے شمار لوگوں کو روزگار میسر آئے گا۔ لوگوں کی آمدنیاں بڑھیں گی۔ بچت کی شرح میں اضافہ ہوگا۔ سرمایہ کاری کے مواقع بڑھیں گے اور تشکیل سرمایہ کی رفتار تیز ہوگی۔ اور یہ سب باہم مل کر قومی آمدنی میں کئی گنا اضافہ کا سبب بنیں گے۔ اس طرح عمومی طور پہ معیشت میں اور انفرادی طور پہ معیشت کے ہر شعبہ میں ایک ایسا زبردست انقلاب برپا ہوگا کہ ساری دنیا محو حیرت ہو جائے گی۔ ایک دوسرے اندازے کے مطابق سالانہ پانچ یا چھ ارب روپے کی رقم اس فنڈ میں جمع ہوا کرے گی۔ اگر اسی اوسط کو معیار بنا لیا جائے تو یہ رقم پچاس لاکھ سے ساٹھ لاکھ افراد کے ہاتھوں میں گردش کرے گی۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جو نماز کی پابندی قبول کرتے تھے لیکن زکوٰۃ

ادا کرنے سے ہنکر تھے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ہر مسلم صاحب نصاب سے زکوٰۃ وصول کرے اور اس کی ادائیگی اس کی مرضی پر نہ چھوڑے۔ نہ جانے بعض لوگ کیوں یہ کہتے ہیں کہ حکومت زبردستی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی۔ دراصل بات یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد سے اس برِاعظم میں مضبوط اسلامی حکومت قائم نہ رہنے اور بعد میں انگریزوں کی غلامی کے دوران یہاں کے مسلمانوں کو ارکان شریعت اپنی مرضی سے ادا کرنے یا نہ کرنے کی عادت پڑ گئی۔ اس لئے اب انہیں یہ پابندی عجیب اور ناگوار محسوس ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مثالی دور تھا۔ اس دور میں اسلامی مملکت کا قیام حضور اکرمؐ کے مبارک ہاتھوں سے اور حضورؐ کے صحابہؓ کرام کے ذریعے عمل میں آیا تھا۔ اب اسلامی مملکت میں اسلامی نظام کا قیام ہم جیسے خطاکاروں کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔ ہم سے غلطیاں بھی ہوں گی، کوتاہیاں بھی ہوں گی لیکن کوئی بات نہیں وہ ساتھ ساتھ دور ہوتی جائیں گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نظام اسلام کے قیام کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیں۔

حکومت کے ذرائع آمدنی

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی میں جنگ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت، غیر مسلموں سے حاصل ہونے والا جزیہ اور خراج، باہر کے ملکوں سے درآمد ہونے والے سامان پر درآمدی محصول معدنی کانوں سے حاصل ہونے والی رائیلٹی، جنگلات سے حاصل ہونے والی پیداواریں اور زکوٰۃ و عشر شامل ہیں۔ موجودہ دور کی حکومتوں کی ذمہ داریوں میں آبادی میں کئی گنا اضافہ، تہذیب و تمدن کی ترقی اور جدید سائنسی و تکنیکی تحقیق کی وجہ سے اتنا اضافہ ہو گیا ہے کہ وہ مذکورہ ذرائع آمدنی سے کسی صورت بھی اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں۔ جبکہ عہد حاضر میں جنگ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت اور غیر مسلموں سے جزیہ اور خراج کا تصور بالکل مفقود ہو کر رہ گیا ہے۔ جدید تقاضوں کے پیش نظر موجودہ دور میں ہر ملک کی حکومت معاشی ترقی اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کرتی ہے۔ بیرونی دشمنوں سے بچاؤ کے لئے جدید ترین اسلحہ اور ایٹمی ہتھیاروں سے لیس فوج رکھتی ہے۔ ملک کے اندر امن و امان

برقرار رکھنے کے لئے پولیس اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے عدالتیں قائم کرتی ہے۔ ریلیں، سڑکیں، بندرگاہیں اور ہوائی اڈے تعمیر کرتی ہے۔ اسکول، کالج اور ہسپتال بناتی ہے۔ آبپاشی کے لئے ڈیم، نہریں اور بیراج تعمیر کرتی ہے۔ بجلی کی پیداوار اور تقسیم کا انتظام کرتی ہے۔ معیشت کے مختلف شعبوں مثلاً زراعت، صنعت، تجارت، مواصلات اور بینکاری وغیرہ کی ترقی کے لئے مناسب اقدام کرتی ہے۔ ملک کے مادی اور انسانی ذرائع سے بھرپور فائدہ اٹھانے اور مکمل روزگار کی سطح برقرار رکھنے کے لئے منصوبہ بندی کرتی ہے۔ ان تمام مقاصد کے لئے حکومت کو روپے یعنی مالیات کی ضرورت ہوتی ہے لہذا وہ مختلف قسم کے ٹیکس نافذ کرتی ہے اور ملک کے اندر و باہر سے قرضہ حاصل کرتی ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

جہاں تک حکومت کے ذرائع آمدنی میں زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اس بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے، اس لئے اس کو ٹیکس سمجھنا اور ٹیکس کی طرح اس سے معاملہ کرنا ایک بنیادی غلطی ہے۔ ایک اسلامی حکومت جس طرح اپنے ملازموں سے دفتری کام اور دوسری خدمات لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب نماز کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ انہوں نے سرکاری ڈیوٹی ادا کر دی ہے اسی طرح وہ لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ ان سے ٹیکس وصول کر لیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کو اپنے نظام اوقات اس طرح مقرر کرنے چاہئیں کہ اس کے ملازمین نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ اسی طرح حکومت کو اپنے محصولاتی نظام میں بھی زکوٰۃ کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی چاہئیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں میں کوئی ٹیکس نہ تو ان مقاصد کے لئے لگایا جاتا ہے اور نہ ہی ان طریقوں سے صرف کیا جاتا ہے جو قرآن میں زکوٰۃ کے متعلق مقرر کئے گئے ہیں، اس لئے زکوٰۃ کو حکومت کے ٹیکسوں کے ساتھ ملانا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں زکوٰۃ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیکس عائد کرنا بھی جائز ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ اسلامی ریاست میں یہ دونوں چیزیں جائز ہو سکتی ہیں۔

زکوٰۃ کے مصارف بالکل متعین ہیں۔ اسی طرح اس کا نصاب اور اس کی شرح بھی متعین فرما دی گئی ہے۔ ان امور میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کی نہ تو کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی وہ جائز سمجھی جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ ریاست کو اگر دوسری ضروریات کے لئے مزید مالیات درکار ہو تو وہ ان ضروریات کے لئے قوم سے مالی مدد حاصل کر سکتی ہے۔ اگر یہ وصولی لازمی ہو تو ٹیکس ہے، اگر رضاکارانہ ہو تو چندہ ہے اور اگر واپسی کی شرط ہو تو قرض ہے۔ زکوٰۃ اور دیگر وصولیاں نہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتی ہیں۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کو ساقط کر سکتی ہیں۔

اگر ہمارے ملک میں مکمل اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور دیانت داری سے اس کا نظام چلایا جائے تو اتنے ٹیکسوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی جتنے آج موجود ہیں۔ موجودہ زمانے میں ٹیکسوں کے معاملہ میں جتنی بدعنوانیاں اور بددیانتیاں ہوتی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، ایک طرف تو جس مقصد کے لئے ٹیکس لگایا جاتا ہے اس کا بمشکل دس فی صد اس مقصد کے لئے صرف ہوتا ہے۔ دوسری طرف ٹیکس سے بچنے کی ایک ذہنیت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر نظام حکومت درست ہو جائے تو موجودہ ٹیکسوں کا ایک چوتھائی حصہ بھی کافی ہوگا اور ان کی افادیت چار پانچ گنا زیادہ ہو جائے گی۔

اصولی اور عملی اعتبار سے زکوٰۃ اور ٹیکس میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس فرق کے چند پہلو یہ ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو مسلمانوں پر فرض ہے اور وہ اسے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ادا کرتے ہیں۔ جبکہ ٹیکس حکومت نافذ کرتی ہے جس سے وہ اپنی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کا فریضہ ساقط نہیں ہو سکتا جبکہ ٹیکس کبھی نافذ ہوتا ہے اور کبھی معاف کر دیا جاتا ہے

۳۔ زکوٰۃ کا نصاب اور شرح ہمیشہ کے لئے معین ہے اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں جبکہ ٹیکس کی حد اور شرحوں میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ صرف مخصوص مقاصد کے لئے خرچ کی جا سکتی ہے لیکن ٹیکس کی رقم خرچ کرنے کے مقاصد مخصوص نہیں بلکہ حکومت اپنی مرضی سے خرچ کرتی رہتی ہے۔

۵۔ ٹیکس لوگ رضا و رغبت سے نہیں دیتے بلکہ اپنے اوپر بڑا جبر کر کے بادل نخواستہ ادا کرتے ہیں اور اکثر بچائے جانے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ زکوٰۃ ان تمام باتوں سے پاک ہے۔ سچے مسلمان اسے خوشی سے ادا کرتے ہیں

۶۔ ٹیکس حکومت کے خزانے میں جمع ہوتے ہیں لیکن اگر زکوٰۃ کا حکومت کی جانب سے اکٹھا کرنے کا بندوبست نہ بھی ہو تب بھی لوگ انفرادی طور پر حاجت مندوں اور مستحق افراد میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۷۔ ٹیکس لوگوں کی آمدنیوں پر لگایا جاتا ہے۔ لوگوں کی جمع شدہ دولت اور بچتوں پر نہیں لگتا خواہ انہوں نے دولت کے انبار لگا رکھے ہوں جبکہ زکوٰۃ خرچ سے بچ کر جمع ہونے والی دولت پر نافذ ہوتی ہے۔

۸۔ ٹیکس لوگوں کے اخراجات کو مدنظر نہیں رکھتا۔ اگر ایک شخص کی آمدنی بہت زیادہ ہو لیکن وہ تنہا بہت سے افراد کی کفالت کرتا ہو تو اسے ٹیکس معاف نہیں کیا جاتا خواہ زیادہ آمدنی کے باوجود اس کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہو دوسری طرف اس شخص پر ٹیکس نہیں عائد کیا جاتا جس کی آمدنی ایک حد سے کم ہو خواہ وہ کم آمدنی بھی اس کی ضرورت سے زائد ہو۔ اس کے برعکس زکوٰۃ آمدنی کی بجائے بچت پر عائد ہوتی ہے۔ گویا یہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد روپیہ ہو اس طرح ایک خاص طبقہ کی دولت میں بے تحاشا اضافہ کو روکتی ہے اور دوسرے طبقہ کو ناداری اور مفلسی سے بچاتی ہے۔

زکوٰۃ کی معاشی اہمیت

زکوٰۃ مسلمانوں کی مالی عبادت ہے۔ اس فریضہ کی پابندی کئے بغیر وہ اپنی عبدیت اور ایمان کا پورا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اگرچہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے ادا کی جاتی ہے لیکن اس کی برکتیں ہماری دنیاوی زندگی میں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے طفیل ہمیں بہت سے معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ اس وقت ہم مختلف قسم کے معاشی مسائل سے دوچار ہیں جن میں سے نہایت اہم مسئلہ غیر مساوی تقسیم دولت کا ہے۔ جس کے باعث ہمارا معاشرہ اقتصادی اعتبار سے دو مختلف گروہوں

میں منقسم ہوچکا ہے۔ ایک نہایت امیر اور دوسرا نہایت غریب۔ ان دونوں گروہوں کی آمدنی اور دولت میں بڑا وسیع فرق ہے۔ پہلا طبقہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے اور مختلف قسم کی عیاشیوں میں غرق ہے، دوسرا طبقہ بھوک و افلاس میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس وجہ سے باہمی منافرت حسد، کینہ اور انتقام جیسے مکروہ جذبات ابھرتے ہیں۔ امیر و غریب کی اس وسیع خلیج کو کم کرنے کا زکوٰۃ بہترین ذریعہ ہے، زکوٰۃ کی بدولت دولت خود بخود امیر لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر غریب گھرانوں کی طرف جاتی رہتی ہے۔ اور یوں زکوٰۃ کی بدولت کبھی بھی اسلامی معاشرہ میں ایسے دو گروہ پیدا نہیں ہو سکتے جن کی آمدنی میں اتنا زیادہ فرق ہو جتنا سرمایہ داری نظام میں پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ سرمایہ داری نظام کے تحت عموماً دولت مند طبقہ معاشرہ کے ایسے افراد کی کفالت کا ذمہ نہیں لیتا جو اپاہج، بوڑھے، ضعیف، نادار، یتیم، بے روزگار، مسکین اور بیوہ ہوں، مقروض، مسافر یا قیدی ہوں۔ اس لئے یہ لوگ انتہائی بدنصیبی اور محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور سسکیوں کے سائے میں دکھوں بھری زندگی گذارتے ہیں لیکن زکوٰۃ کی بدولت ان لوگوں کی محرومیاں خوشیوں میں بدل جاتی ہیں کیونکہ زکوٰۃ سے ان سب کی پرورش اور کفالت ہوتی رہتی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی بدولت بے روزگاروں کو روزگار مل جاتا ہے، جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں اور کام کرنا جانتے ہیں، کوئی ہنر یا دستکاری جانتے ہوں لیکن سرمایہ نہ ہونے کے باعث ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوں انہیں اگر زکوٰۃ مل جائے تو وہ اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ملک سے بے روزگاری ختم ہو سکتی ہے۔ اس وقت پاکستان میں کام کرنے کے اہل افراد کا پانچواں حصہ بے کار ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس سرمایہ نہیں جس سے وہ کوئی کاروبار، دستکاری یا کھیتی باڑی کر سکیں۔ اس لئے اگر انہیں زکوٰۃ دی جائے تو وہ بے کاری کی لعنت سے بچ سکتے ہیں۔

۴۔ عام طور پر لوگ اپنی دولت کو زیورات یا نقد دفینوں کی صورت میں سنبھال کر رکھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ استعمال میں نہیں آتا اور کساد بازاری پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اسلامی

معاشرہ میں لوگ کثیر مقدار میں روپے کو یوں دفینوں اور زیورات کی شکل میں بے کار بناکر نہیں رکھیں گے کیونکہ اس طرح ہر سال زکوٰۃ دینے سے اس کی مالیت گھٹتی چلی جائے گی۔ چنانچہ لوگ اپنی دولت کو کسی نہ کسی کاروبار میں لگائیں گے، کارخانے قائم کریں گے، کسی کو شرکت و مضاربت پر تجارت کے لئے دے دیں گے اور اس سے خاص شرح سے منافع حاصل کرتے رہیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نہ صرف خود ان لوگوں کی دولت کارآمد ہو جائے گی اور بڑھے گی بلکہ عام لوگوں کو بھی فائدہ پہنچے گا اور روزگار بڑھے گا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "آگاہ ہو جاؤ تم میں سے جو کوئی کسی یتیم کا ولی ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو وہ اس سے تجارت کرے اور اس دولت کو یونہی نہ ڈال رکھے ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ اسے ختم کر ڈالے۔

۵۔ پاکستان میں ارتکاز دولت کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ملک کی بیشتر دولت چند لوگوں کے قبضہ میں جمع ہو جائے۔ ایک اندازے کے مطابق ملک کی اسی فی صد دولت بیس فیصد افراد کے قبضہ میں ہے جبکہ اسی فی صد افراد کے حصہ میں صرف بیس فی صد دولت آتی ہے۔ اس طرح سرمایہ دار اپنے سرمایہ کی مدد سے ڈھیروں دولت کماتے اور جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔ جس کا کچھ حصہ کاروبار میں لگاتے ہیں اور باقی عیش و عشرت میں اڑا دیتے ہیں، دوسری طرف غرباء اپنی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس طرح ملک کے قدرتی اور انسانی وسائل سے بھرپور استفادہ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور معیشت عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ کا حل زکوٰۃ میں مضمر ہے کیونکہ سرمایہ داروں کو ہر سال اپنی تمام جمع شدہ دولت، سرمائے، زیورات اور مال تجارت کا چالیسواں حصہ نکال کر غریبوں میں تقسیم کرنا ہوگا جس کے باعث ان کے پاس بے تحاشا دولت جمع نہیں ہو سکے گی۔ اگر ہو گی بھی تو اس کا ایک مخصوص حصہ خود بخود باقاعدگی سے حاجت مندوں کے پاس پہنچتا رہے گا اور معیشت میں اعتدال و توازن برقرار رہے گا۔

۶۔ زکوٰۃ کی بدولت یہ مقصد بھی حاصل کیا جاتا ہے کہ دولت تمام افراد کے درمیان گردش

کرتی رہے تاکہ پیداوار، محنت اور صرف کے درمیان سرمایہ کی گردش موزوں طریقہ پر انجام پاتی رہے۔

زکوٰۃ تعاون اور باہمی کفالت پر مبنی اس معاشرہ کی بنیاد ہے جسے اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی سودی نظام کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ ایک مسلم ریاست زکوٰۃ کو لازمی حق کے طور پر وصول کرے گی خیرات کے طور پر نہیں اور اس کی مدد سے ہر اس فرد کی کفالت کرے گی جس کے ذاتی وسائل اس کے لئے کافی نہ ہوں۔ یوں ہر شخص کو یہ اطمینان حاصل ہوگا کہ اس کی اپنی اور اس کی اولاد کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل بہرحال یقینی ہے۔ ساتھ ہی ریاست نادار، مقروض افراد کی جانب سے ان کے قرضے زکوٰۃ کی مدد سے ادا کرے گی خواہ یہ قرض کاروباری اغراض کے لئے ہوں[1] یا غیر کاروباری اغراض کے لئے۔

مختصراً زکوٰۃ کا نظام ایمانی تصور، ایمانی تربیت اور ایمانی اخلاق پر قائم ہوتا ہے جو نفسِ انسانی کو ایک مخصوص سانچہ میں ڈھال دیتا ہے۔ پھر اس نظام کی بدولت ہر شعبہ میں صحیح افکار و تصورات، پاکیزہ اخلاق و عادات اور اعلیٰ طور طریقے جاری ہوتے ہیں۔ جاہلی نظام کے بالمقابل جس کی بنیاد سود پر ہے اسلام اپنے نظامِ حیات میں زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت دیتا ہے۔ اس نظام میں انفرادی سعی و جہد اور باہمی تعاون کے ذریعہ زندگی نمو پاتی ہے اور معیشت کی ہمہ گیر ترقی عمل میں آتی ہے جو صحت مند اور خوشگوار معاشرہ کے قیام کے لئے ازبس ضروری ہے۔

ماخذ

اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

(۱) اسلام کا نظامِ عدل۔ استاد سید قطب۔ مترجمہ محمد نجات اللہ صدیقی۔

(۲) تفہیم القرآن۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

(۳) معاشیاتِ اسلام۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

---

[1] یہ نکتہ تشریح طلب ہے اور اس میں بحث و نظر کی ضرورت ہے (مدیر)